37

تخلّقوا باخلاق اللہ

(فرمودہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آج میں اپنے اس مضمون کو ترک کرکے جس کا سلسلہ گزشتہ چند جمعوں کے خطبات میں جاری تھا۔ اپنی جماعت کے دوستوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اخلاق فاضلہ جس حد تک دنیا میں امن اور امان قائم رکھنے میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں اور کوئی شے اس حد تک نہیں ہو سکتی۔ اخلاق فاضلہ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اپنے حق سے زیادہ مانگا جائے اور نہ مانگنا ظلم نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ مثال کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے ہاں مہمان آیا۔ صاحب خانہ نے دل کھول کر اس کی خاطر و مدارت کی اور جب مہمان رخصت ہو کر روانہ ہونے لگا۔ تو میزبان نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ کی اس طرح خدمت نہیں کر سکا جیسی کہ کرنی چاہئے تھی۔ جو کچھ میں نے کیا وہ آپ کی شان کے لائق نہ تھا۔ اس لئے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف فرمائیں۔ مہمان نے جواب دیا آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ جو آپ اس رنگ میں اپنا احسان مجھ پر جتانا چاہتے ہیں۔ احسان تو میرا ہے آپ پر اور آپ الٹا اپنا احسان مجھ پر جتاتے ہیں۔ اس پر میزبان نے کہا کہ میں کوئی احسان نہیں جتا رہا۔ بلکہ میں تو اپنی کوتاہی کے لئے عذر خواہی کر رہا ہوں۔ جو آپ کی تواضع کرنے میں مجھ سے ہو گئی ہو۔ لیکن اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آپ نے مجھ پر احسان بھی کیا ہے۔ تو میں اور بھی ممنون ہوں گا۔ اس پر مہمان نے کہا۔ اگر اور باتوں کو میں چھوڑ بھی دوں تو بھی میرا یہ احسان کیا کم ہے کہ میں نے تمہارے ہزاروں روپے کے مال کو آگ نہ لگائی۔ جب تم میرے لئے اندر کھانا لینے جاتے تھے۔ اس وقت میرے لئے یہ آسان تھا کہ میں مکان کو آگ لگا دیتا۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ تم ذرا سوچو تو سہی۔ اگر میں آگ لگا دیتا تو

میرا کیا کر سکتے تھے۔ کیا یہ میرا احسان نہیں ہے؟ جب مہمان نے اس قسم کی باتیں کیں۔ تب میزبان پر یہ بات کھلی کہ یہ شخص کس اخلاق کا آدمی ہے۔ پس اگر احسان کے یہ معنی ہیں کہ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ کسی کو نقصان نہ پہنچانا احسان نہیں اس شخص نے زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کیا تو یہ کیا کہ اسے نقصان نہیں پہنچایا۔ اب اس نقصان نہ پہنچانے کو وہ احسان سمجھتا تھا جو سراسر غلط ہے۔

بعض آدمی سمجھتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے احسان کیا۔ مگر یہ بات کوئی ایسی بات نہیں جس پر فخر کیا جائے۔ کیونکہ کسی کو نقصان نہ پہنچانا احسان نہیں ہے۔ بلکہ ظلم سے رکنا ہے اور ظلم سے رکنا اور احسان کرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ وہ شخص بڑا ہی احمق ہے۔ جو ان دونوں میں تمیز نہیں رکھتا اور میرے نزدیک ظلم سے رکنے کو احسان سمجھنا پرلے درجہ کی مسخ شدہ فطرت کا کام ہے۔

احسان یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قصور کیا ہے اور جس کا اس نے قصور کیا ہے۔ اگر وہ یہ دیکھ کر اسے معاف کر دے کہ سزا سے الٹا اثر ہوگا اور بجائے اصلاح کے سزا فساد پیدا کرے گی۔ تو یہ احسان ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی بھلائی مقصود ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ایسا ہی کرتے ہیں کسی کے قصور کرنے پر وہ دیکھتے ہیں کہ کونسا طریق بہتر ہوگا۔ اگر وہ سزا دینے میں بھلائی پاتے ہیں تو اسے سزا دیتے ہیں اور اگر معاف کرنا بہتر نظر آتا ہے تو اسے معاف کر دیتے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ قصوروں کی معافی کے لئے تیار نہیں ہوتے اور جھٹ بدلہ لینے پر تل جاتے ہیں۔ خواہ بدلہ لینے میں اس سے بڑھ کر ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ لمبے عرصہ کی بات ہے۔ ایک شخص کی بیوی فوت ہوگئی اس کا جنازہ یہاں شہر سے باہر لا کر رکھا گیا۔ چونکہ ایسے موقعوں پر عورتوں کا جانا مناسب نہیں ہوتا اور نہ ہی عورتیں میت کے ہمراہ جایا کرتی ہیں۔ پھر ان کے لئے ایسے مقامات پر جانا پسندیدہ بھی نہیں۔ اس لئے ہمارے ہاں کی عورتیں نہ گئیں۔ میں اس وقت قادیان میں نہ تھا۔ باہر گیا ہوا تھا۔ جب واپس آیا تو میں نے اس شخص کو تعزیت کا خط لکھا۔ اس نے جواب میں لکھا۔ میں اس تعزیت کا ممنون ہوں۔ بے شک آپ نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار فرمایا اور بیشک آپ نے میرے دل کے زخموں پر پھاہا رکھا۔ لیکن افسوس کہ آپ کے گھر کی عورتیں اس موقع پر نہ آئیں۔ یہ ایسا ظلم ہے کہ میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔ اگرچہ اس شخص نے یہ کہا کہ میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس

نے اب یہ بات بھلا دی ہوگی۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں ۔ انسانی فطرت ہمیشہ ایسی باتیں یاد نہیں رکھ سکتی۔ اگرچہ اس کو میرے ساتھ اختلاف ہے مگر میرا خیال ہے کہ اس قسم کے شکوے اب مٹ چکے ہوں گے اور اس شخص نے بھی ان باتوں کو بھلا دیا ہوگا۔ کیونکہ یہ کوئی اچھے اخلاق نہیں کہ اس قسم کی باتوں کو یاد رکھا جائے۔

مگر بعض لوگ دیر تک شکووں کو یاد رکھتے ہیں۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ یہاں ایک میت ہوگئی اور اس کے لواحقین نے کہا مرنے والی نے کہا تھا۔ فلاں فلاں عورتیں میرے جنازے پر نہ آئیں۔ مرنے والی تو مرگئی اب یہ زندوں کے سر پر تھا کہ اگر اس قسم کی بات ہوئی بھی تھی تو اس کا ذکر نہ کرتے۔ اس طرح گویا وہ ان شکووں کو پھر تازہ کرتے ہیں جو ایک فریق کے مرنے سے مٹ چلے تھے۔ اگر کسی مرنے والی نے ایسا کہا ہو۔ تو میں کہوں گا وہ ہذیان تھا یا بیماری کا اثر کہ اس نے ایسی باتیں کہیں۔ ورنہ جب موت قریب ہوتی ہے تو اس وقت مرنے والا یہ دیکھ کر کہ میں کوئی دم کا مہمان ہوں اپنے قلب سے ہر قسم کے بغض نکال دیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک عام بات ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ لوگ جب موت کے قریب ہوتے ہیں تو اکثر دوسروں سے کہے سنے کی معافی مانگتے ہیں اور خود بھی دوسروں کی خطائیں اور قصور معاف کر دیتے ہیں۔ پس ایسے وقت میں جبکہ لوگ تلاش کر کر کے قصوروں کی معافی کراتے ہیں۔ یہ کہنا کہ کسی مرنے والی نے ایسی وصیت کی تھی۔ بالکل فضول ہے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا یہ اور بھی واہیات سی بات ہے۔ کیونکہ جب یہ ایک عام بات ہے کہ ایسے وقت میں لوگ دوسروں سے معافی مانگتے اور خود بھی ان کو معافی دیتے ہیں۔ تو اگر کوئی اس قسم کی بات کرے اور اس قسم کی وصیت کرے کہ فلاں عورت میرے جنازے پر نہ آئے۔ یا فلاں مرد میرے جنازے کو ہاتھ نہ لگائے تو یہ یا تو بیماری کا اثر ہے یا ہذیان ہے جس کی فی الحقیقت کوئی اصل نہیں اور جب اس قسم کی باتیں ہذیان سے زیادہ نہیں۔ تو پھر زندوں کا اس کے مطابق عمل کرنا درست نہیں۔

عربوں میں تو یہ دستور تھا کہ کسی کی جانکنی کے وقت وہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور ان سے مرنے والے کو معافی دلاتے اور اس سے ان کو اور اگر جانکنی کے وقت کسی کو زیادہ تکلیف ہوتی تو وہ سمجھتے کہ شائد اس کی معافی نہیں ہوئی اور جب کبھی اس قسم کا واقعہ ہوتا وہ شہر والوں اور تمام ان لوگوں کے پاس جاتے ۔ جن کے ساتھ مرنے والے کا تعلق ہوتا یا جن کے ساتھ اس کا پیار و محبت ہوتا تھا۔ ان کو لا کر معافی کراتے۔ پس جبکہ یہ ایک عام بات ہے اور مرتے وقت انسان ایسے خیال رکھتا

ہے اور کوشش کرتا ہے کہ معافی کرا اور کرالوں۔ تو یہ امید نہیں رکھی جاتی کہ کوئی مرنے والا ایسی وصیت کر جائے کہ جس کے مرنے کے بعد بھی جھگڑا پیدا ہو یا وہ اس قسم کی کوشش کرے کہ اس جھگڑے کو جو اس کی زندگی میں پیدا ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد بھی قائم رکھا جائے۔ اور اگر ہو تو ہذیان ہوگا۔ اور کسی عقل مند کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کی پابندی کرے پس اگر ایسا ہو۔ اور کسی جگہ اس قسم کا معاملہ پیش آ جائے کہ سچ مچ کسی مرنے والے انسان نے اس قسم کی باتیں کہی ہوں اور ہوش و حواس کے ساتھ کہی ہوں تو بھی لواحقین کو چاہئے کہ وہ اس قسم کی باتوں کو چھپائیں نہ کہ ظاہر کریں کیونکہ اس طرح مرنے والے کی برائی پھیلے گی۔ نہ کہ نیکی۔

اس سے زیادہ کیا برائی ہو سکتی ہے کہ زندہ لوگ مرنے والے کے ذکر کے ساتھ ایسی بات لگا دیں کہ جس سے اس کا ذکر ہمیشہ کے لئے برے طریق سے کیا جائے۔ ایسے موقعوں پر تو اس قسم کی باتوں کو چھپانا چاہئے نہ ان کو ظاہر کرکے ان کے موافق عمل کرنا چاہئے۔ آخر عداوتیں اور جھگڑے دونوں طرف سے ہوتے ہیں۔ اگر یہ دیکھ کر کہ کوئی ہمدردی کے لئے آتا ہے۔ ہم اس کی پرواہ نہ کریں اور اس کی ہمدردی کی قدر نہ کریں۔ تو یہ ہمارا قصور ہے۔ جھگڑوں کو مٹانے اور عداوتوں کو دور کرنے کے لئے کوئی شخص قدم اٹھائے یا صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے اور ہم اگر ہاتھ کھینچ لیں تو افتراق اور شقاق اور فساد کا الزام ہم پر ہے۔ مرنے والا تو مر گیا۔ اب یہ جھگڑا زندے پیدا کرتے ہیں کہ فلاں مرنے والا یہ کہہ گیا تھا۔ پس اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ مرنے والے کے ذکر کے ساتھ ایسی باتیں لگاتا ہے جو ہمیشہ اس کو برا بنا دیں۔ پس اس سے بچنا چاہئے۔

بدلہ لینا اسلام کی تعلیم نہیں لیکن اسلام کی یہ تعلیم بھی نہیں کہ بدلہ نہ لو۔ اسلام تو یہ سکھاتا ہے کہ موقع کے مناسب کارروائی کرو۔ اگر بدلہ لینا مفید ہے اور قصوروار کی بہتری اسی میں ہے تو بدلہ لو۔ نہیں تو بدلہ نہ لو بلکہ معاف کر دو۔ پس اسلام کی تعلیم میں یہ کسی جگہ نہیں کہ ضرور ہر موقع پر بدلہ لو یا ہر موقع پر بدلہ نہ لو بلکہ اسلام کی تعلیم میں یہ داخل ہے کہ خواہ کتنا ہی کسی نے تمہارا قصور کیا ہو اور خواہ کتنا ہی اس قصور کی وجہ سے تمہارا غصہ بھڑکا ہوا ہو۔ تم نہ تو آپے سے باہر ہو جاؤ اور بالضرور بدلہ لو۔ اور نہ ہی اس قدر نرم ہو جاؤ کہ بدلے کا نام ہی نہ لو بلکہ تم اس وقت یہ دیکھو کہ قصور کرنے والے کا بھلا کس میں ہے۔ بدلہ لینے میں یا بدلہ نہ لینے میں۔ اور پھر جس میں تمہیں بھلائی نظر آئے وہی کرو۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ایسے موقع پر فوراً بدلہ لینے پر اتر آتے ہیں۔ خواہ اس بدلہ لینے میں کتنا ہی نقصان ہوتا ہو اور وہ شخص کتنا ہی

بگڑتا ہو۔ پس اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ ضرور بدلہ لیا جائے۔ اسی طرح اس کی یہ تعلیم بھی نہیں کہ بدلہ نہ لیا جائے بلکہ اس کی تعلیم میں رحم بھی ہے۔

سورۂ فاتحہ جو ام القرآن ہے اور جس کو تمام خوبیوں کا جامع قرار دیا گیا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا خلاصہ یہ چار صفتیں ہی آئی ہیں۔ رب العالمین، الرحمٰن، الرحیم، مالک یوم الدین۔ ان پر غور کرکے دیکھ لو۔ یہ کس قدر مظہریت کا تقاضا کرتی ہیں۔ انسان کا یہ کام ہے کہ وہ ان کا مظہر بن جائے اور اس کی ذات سے۔ اس کے قول سے۔ اس کے فعل سے ان کا اظہار ہو۔ خدا تعالیٰ کی ان صفات کا یہ خلاصہ جو سورۂ فاتحہ میں بیان ہوا ہے۔ وہ رحم پر ہی تو دلالت کرتا ہے۔ پس ان کا مظہر بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بھی رحم سے کام لیں اور اس کا صحیح استعمال سیکھیں۔

بیشک بعض موقعوں پر سزا دی جاتی ہے۔ بیشک بعض امور کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے خوفناک گرفت ہوتی ہے۔ بیشک بعض افعال کے سرزد ہونے پر خطرناک عذاب میں ڈال دیا جاتا ہے اور ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی صفات کا خلاصہ رحم ہے تو پھر اس رحم کے ہوتے ہوئے یہ عذاب اور یہ سزائیں کیسی؟ مگر اس کا یہ کہنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ سزائیں قانون کے طور پر ملتی ہیں۔ نہ کہ غصہ کے سبب یا بدلہ لینے کی نیت سے۔ اور اگر ایک شخص غور کرے تو اس پر فوراً" یہ بات کھل جائے۔ کہ قانون کے طور پر بعض سزاؤں کا ملنا ضروری ہے۔ جیسے احکام ظاہری شرعی کی نافرمانی۔ اب اگر ان کے متعلق سزا نہ دی جائے۔ تو ایک ابتری پھیل جائے اور کسی کے دل میں نہ شریعت کی عظمت رہے اور نہ صرف شریعت لانے والے اور ان شریعتوں کے احکام پر عملدرآمد کرانے والے انبیاء اور دیگر تمام صلحاء اور آئمہ وغیرہم کی قدرومنزلت اور ان کی اہمیت گھٹ جائے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا خوف بھی کسی کے دل میں نہ رہے۔ پس اس کی خلاف ورزی یا نافرمانی کرنے والے کے لئے بطور قانون کے سزا کا ملنا ضروری ہے اور یہ سزا آئندہ کی اصلاح اور گزشتہ کے لئے بطور کفارہ کے ہوتی ہے اور درحقیقت سچا کفارہ ہے بھی یہی کہ انسان اپنی نافرمانی کے بدلے سزا کو برداشت کرے۔ پس یہ سزائیں جو بعض احکام کی خلاف ورزی کرنے پر بطور قانون ملتی ہیں۔ بطور کفارہ کے ہیں۔ جو رحم ہی ہے نہ کہ غصہ اتارنا یا بدلہ لینا۔

پس غور کرکے دیکھ لو۔ رب العالمین کی صفت رحم پر دلالت کرتی ہے خدا تعالیٰ ربوبیت کرتا ہے اور یہ رحم کی صفت ہے انسان خواہ کچھ ہی کرتا چلا جائے مگر خدا تعالیٰ کی یہ صفت ربوبیت کرنے سے رکتی نہیں بلکہ برابر ربوبیت کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ رحم ہی تو ہے کہ ایک ایسی ہستی کی کوتاہیوں

اور غلطیوں کے باوجود جو بالکل بیکس اور بے بس ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ صفت برابر ربوبیت کرتی چلی جاتی ہے۔

اسی طرح رحمٰن کی صفت بھی ہے۔ یہ بھی رحم پر دلالت کرتی ہے۔ رحمٰن کے معنی ہیں بے حد رحم کرنے والا۔ اسی طرح رحیم کی صفت بھی رحم پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے معنی ہیں بار بار رحم کرنے والا۔ پھر مالک یوم الدین بھی رحم کی صفت ہے۔ یعنی وہ جج ہے مگر مالکانہ طور پر قضا کرتا ہے۔ اس کا اختیار ہے کہ ملزم کو سزا دے یا چھوڑ دے ۔ گویا یہ بھی آدھی صفت رحم کی ہوگئی۔ اور چار صفتوں میں سے ساڑھے تین صفات رحم کی ہیں۔ پھر چونکہ مالک یوم الدین کے یہ معنی بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ اس دن کا مالک ہے جو جزا اور سزا کا دن ہے۔ اس لئے وہ اگر چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔ پس معاف کر دینے کی جو گنجائش اس میں ہے۔ اگر اسے صفت رحم کے ساتھ شامل کر دیں تو اس طرح ۳/۴ حصہ رحم اور ۱/۴ حصہ سزا کا رہ جاتا ہے۔ کیونکہ مالک کا اختیار ہوتا ہے کہ معاف بھی کر دے لیکن صرف جج ایسا نہیں کر سکتا۔ مثلاً زید کا بکر کے ساتھ جھگڑا ہے اور یہ دونوں مجسٹریٹ کے پاس جاتے ہیں۔ اب اگر مجسٹریٹ یہ دیکھ کر کہ فی الواقع بکر نے زید کا سو روپیہ دینا ہے۔ بکر کو معاف کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا لیکن اگر خود مجسٹریٹ کا ہی روپیہ دینا ہو تو مجسٹریٹ چونکہ اس روپے کا مالک ہوگا۔ وہ اگر چاہے تو اپنا مطالبہ معاف کر سکتا ہے مگر باوجود جج ہونے کے زید کا مطالبہ معاف نہیں کر سکتا اور اس طرح جو حصہ ان چار صفتوں میں سزا کے لئے باقی رہ گیا تھا۔ اس کو بھی ما لکیت نے اڑا دیا اور سب صفات کا سولھواں حصہ سزا کا جو رہ جانا تھا۔ وہ بھی نہ رہا۔

سب صفات الٰہیہ رحم پر دلالت کرتی ہیں اور ان میں ذرا بھی ایسی کوئی بات نہیں جو رحم کے منافی ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال گزرے کہ سولھواں حصہ تو ضرور سزا کے لئے رہ جاتا ہے۔ مگر یہ بات نہیں - ما لکیت کے نیچے آکر تو سوائے رحم کے کچھ نہیں رہتا۔ اس لئے یہ احتمال کہ شائد اس کے ماتحت سزا دی جائے اور رحم کو مدنظر نہ رکھا جائے۔ درست نہیں کیونکہ قرآن کریم نے اس بات کو بالکل صاف کر دیا ہے اور ایک دوسری جگہ پر صاف لفظوں میں فرمایا ہے۔ رحمتی وسعت کل شیئی (الاعراف ۱۵۷) کہ میری رحمت بہت وسیع ہے اور ہر ایک چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ صفات غضبیہ پر بھی میری رحمت چھائی ہوئی ہے۔ وہ محدود ہیں مگر رحمت غیر محدود ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی رحمت اس قدر وسعت رکھتی ہے کہ کوئی بھی چیز اس کے گھیرے سے باہر نہیں۔ حتیٰ کہ اس کا غضب بھی اس سے باہر نہیں۔ اس طرح جو ۱/۱۶ حصہ سزا کا

باقی نظر آتا تھا وہ بھی نہ رہا۔

تو اصل حکم شریعت میں عفو کا ہے لیکن مناسب موقع پر۔ یہ نہیں کہ ہر جگہ عفو ہی کیا جائے۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہاں عفو کیا جائے تو اور بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حکم ہے عفو کرو تو سہی لیکن اس کا موقع اور محل دیکھ لو۔ یہ نہ کرو کہ بے موقع اور بے محل کرو کہ بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو اور وہ اصلاح جو مقصود ہے۔ اس کے بے محل استعمال سے نہ ہو۔

دراصل بعض سزاؤں میں بھی عفو ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کسی کے قصور پر سرزنش کی جاتی ہے یا سزا دی جاتی ہے تو یہ بھی عفو ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کی بھلائی مقصود ہوتی ہے اور اسے آئندہ کے لئے اس غلطی سے بچانا مدنظر ہوتا ہے۔ گو بظاہر یہ عفو نظر نہیں آتا۔ مگر حقیقت میں یہ عفو ہی ہے۔ کیونکہ عفو کا حکم بھی تو اسی لئے ہے کہ دوسرے کے ساتھ بھلائی کی جائے اور جب بھلائی گوشمالی سے ہو۔ تو پھر یہ گوشمالی ہی عفو ہوتی ہے۔ جیسے بعض دفعہ بیمار کو کڑوی دوائی دینا اس پر رحم کرنا ہوتا ہے۔ بیمار ہرگز نہیں چاہتا کہ کڑوی کسیلی دوائیں کھائے لیکن تیماردار اسے ایسی دوائیں کھلاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اس کی بھلائی دیکھتے ہیں۔ ایسے موقع پر یہی رحم ہے خواہ بظاہر مریض کے لئے دوائی کھانا تکلیف کا باعث ہو۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ ایسا کرنا مریض پر رحم کرنا ہوتا ہے۔ ایسا ہی بعض دفعہ تھپڑ مارنا جائز ہوتا ہے لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اصلاح کی غرض سے ہو اور رحم کے جذبات کے ماتحت ہو۔ اگر یہ رحم کے جذبات کے ماتحت ہے تو درست ہے ورنہ نہیں۔ ایسا ہی دوسری سزاؤں کے متعلق ہے۔ اگر وہ اصلاح کی غرض سے ہیں اور رحم کے جذبات کے ماتحت ہیں تو جائز ہیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر ہرگز جائز نہیں اور اگر کوئی شخص غضبیہ جذبات کے ماتحت یا انتقام کی خاطر یا کسی اور وجہ سے کہ جو نہ اصلاح پر دلالت کرتی ہے اور نہ ہی رحم کے ماتحت ہے ایسا کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے وہ رحم نہیں کرتا بلکہ ظلم کرتا ہے وہ اصلاح نہیں بلکہ بگاڑتا ہے۔ وہ عفو نہیں کرتا بلکہ انتقام لیتا ہے اور ایسا شخص خود سزا کا مستحق ہے۔

پس میں اپنی جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اخلاق میں رحم اور عفو کا مادہ پیدا کرے۔ ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ وہ سزا اگر دیں تو اس لئے دیں کہ دوسرے کی اصلاح ہو اور وہ آئندہ اس قسم کا فعل نہ کرے جو اس کے لئے اور دوسروں کے لئے نقصان دہ ہو۔ نہ اس لئے سزا دیں کہ اس کو تباہ کر دیں۔ ایسا ہی عفو اگر کریں تو اس لئے کہ دوسرے کی بھلائی اس میں مقصود ہو اور رحم کے جذبات کے ماتحت ہو۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ عمدہ اخلاق نہیں رکھتے۔ اخلاق یہی

ہے کہ رحم کے موقع پر رحم اور عفو کے موقع پر عفو کیا جائے۔

لوگ سورۂ فاتحہ بار بار پڑھتے ہیں۔ جس میں خدا تعالیٰ کی صفات کا خلاصہ رحم ہے۔ مگر پھر بھی یاد نہیں رکھتے۔ اس کے پڑھنے کی یہ غرض نہیں کہ ہر روز پڑھو اور یونہی گزر جاؤ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اسے ہر وقت یاد رکھو لیکن اگر بار بار پڑھنے کے باوجود اسے یاد نہیں رکھتے۔ تو سمجھ نہیں آتی کہ کس طرح یاد رکھو گے اور کب یاد رکھو گے۔ پس سب احمدیوں کو چاہئے کہ اسے یاد رکھیں۔ اور اپنے اخلاق سنواریں اور رحم اور عفو کو ان کے موقع و محل پر استعمال کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ کہ ہم اخلاق میں رحم اور عفو کو داخل کر سکیں اور پھر اس کو مناسب موقع پر استعمال بھی کر سکیں۔ ہمارے غصے اور ناراضگیاں خدا کے لئے ہوں نہ کہ اپنے غضب کے ماتحت - خدا ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

خطبہ ثانی میں فرمایا:

نماز کے بعد آج دو جنازے پڑھے جائیں گے۔ احباب کو چاہئے کہ ان میں شامل ہوں - پہلا جنازہ چیف مہدی گولڈ کوسٹ (افریقہ) کا ہے جو فوت ہو گئے ہیں۔ یہ بہت مخلص احمدی تھے۔ وہ ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں رؤیا میں ایک سفید آدمی کے آنے کے متعلق بتایا گیا کہ وہ آکر مہدی معہود کی خبر دے گا۔ ان کے نزدیک ہم بھی سفید آدمی ہیں۔ گو انگریزوں کے نزدیک ہم کالے ہین مگر وہاں کے لوگوں کی رنگت کے بالمقابل ہندوستان کے باشندوں کی رنگت سفید ہی سمجھی جاتی ہے۔ ان کی رؤیا کو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر نے وہاں جاکر پورا کیا جب ماسٹر صاحب وہاں پہنچے۔ تو انہوں نے خود آکر بیان کیا کہ میں نے یہ رؤیا دیکھی تھی جو آپ کے ذریعہ پوری ہو گئی۔ اس علاقہ میں وہ سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے اور پھر ہزارہا آدمی ایسے پیدا کر دیئے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ماسٹر عبدالرحیم صاحب کے وہاں پہنچنے پر وہ خود بھی اور باقی کے سارے کے سارے اشخاص بھی احمدی ہو گئے۔ ان کے دل میں تبلیغ کا بہت جوش تھا اور ہمارے مبلغوں کی انہوں نے مدد بھی بہت کی۔ اب تار آئی ہے کہ وہ تھوڑی سی بیماری کے بعد فوت ہو گئے ہیں۔ ایک جنازہ تو ان کا ہے جو میں پڑھوں گا۔

دوسرا جنازہ خیر دین صاحب کچھا ماڑی واڑہ کا ہے جو اپنے گاؤں میں فوت ہو گئے ہیں۔ ان کا جنازہ غیر احمدیوں نے پڑھا ہے اور میں نے یہ اعلان کیا ہوا ہے کہ میں ان لوگوں کا جنازہ بھی پڑھا کروں گا۔ جو یا تو جماعت میں دینی خدمات کی وجہ سے مشہور ہوں۔ یا ان کا جو کسی ایسی جگہ فوت

ہوں۔ جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والے احمدی نہ ہوں۔ یا اگر ہوں تو بہت کم ہوں۔ سو ہمارا یہ بھائی جہاں فوت ہوا ہے وہاں اس کا جنازہ پڑھنے والے احمدی کوئی نہ تھے۔ اس لئے میں اس کا بھی جنازہ پڑھوں گا۔

اور جہاں میں یہ جنازے پڑھوں گا وہاں میں باہر کی جماعتوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ ایسے جنازے پڑھا کریں تا کہ ایک دوسرے کی مدد اور ایک دوسرے کے رنج و غم میں شریک ہونے کا احساس پیدا ہو۔ اس وقت ہم دنیا میں تھوڑے ہیں اور ہمیں اگر اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی نہ پیدا ہو۔ تو یہ ایک قابل افسوس بات ہوگی۔ پس میں باہر کی جماعتوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی ایسے جنازے پڑھا کریں۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو۔ کہ ہمارے آپس کے تعلقات بہت گہرے ہیں اور ہم میں ایک دوسرے کا احساس بے حد ہے۔ پھر احمدیوں کو اور دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے۔ جن احمدیوں کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کا جنازہ پڑھنے والی ساری جماعت ہوتی ہے اور ساری جماعت کی دعائیں ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔

(الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۲۵ء)